چور دروازے تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک معمہ ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

نوٹ (٤) : اصول یہ ہے کہ اگر کسی نکاح میں وقت کا ذکر ہو تو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں پندرہ دن کے لیے نکاح کرتا ہوں تو اس کا نکاح فاسد ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں ایک ہزار سال کے لیے نکاح کرتا ہوں' تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ پوری زندگی کے لیے نکاح کر رہا ہے' لیکن چونکہ اس میں بھی وقت کا ذکر ہے اس لیے یہ نکاح بھی فاسد ہے۔

اسی اصول کے تحت اگر کسی کے لیے اس کی مطلقہ بیوی کو حلال کرانے کے لیے اس کا دوسرا نکاح کرایا جائے جس میں یہ طے ہو کہ وہ اسے طلاق دے گا' تو یہ نکاح' نکاح نہیں بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی اور اس طرح وہ عورت اپنے سابق شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ متعدد صحابہ کرام ؓ کی متفقہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس طریقہ سے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (تفہیم القرآن)

ہم میں سے اکثر لوگ مذکورہ اصول کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور متعلقہ احادیث کو بھی مانتے ہیں' اس کے باوجود ہم ایسے حلالے کا فتویٰ بھی دیتے ہیں اور اعانت بھی کرتے ہیں جس کے کرنے اور کرانے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ یہ دوسرا معمہ ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

آیت ۲۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنی حدود کو ان لوگوں کے لیے واضح کیا ہے جو علم رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ یہ ساری خرابی عوام الناس کی جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تیسرا معمہ ہے۔ OO

☆

آگ ہے' اولادِ ابراہیمؑ ہے' نمرود ہے!
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

☆

عظمتِ قرآن
ایک اور پہلو

پروفیسر حافظ احمد یارؒ

استاذ مکرم حافظ احمد یار مرحوم ومغفور نے یہ مقالہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تیسری سالانہ قرآن کانفرنس منعقدہ مارچ ۱۹۷۶ء میں پیش کیا تھا۔

الحمد للّٰہ وحدہ والصلٰوۃ والسلام علٰی من لا نبی بعدہ
اما بعد: فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾﴾ (القصص)

محترم صاحبِ صدر و معزز خواتین و حضرات!

آج کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کی غالب اکثریت اُصولاً اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اس کارخانۂ حیات کا ایک بنانے والا ہے جو خود ہی اس کا چلانے والا ہے (کسی کو ٹھیکہ پر نہیں دے رکھا) ——— اور یہ کہ اس خالق و مالک نے کائنات کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شے بھی بے کار اور بے مقصد نہیں بنائی۔ انسان نے کائنات کی بے شمار چیزوں کے مقصدِ تخلیق پر توجہ دے کر اپنے علوم کو تو کہیں سے کہیں پہنچا دیا' لیکن عجیب بات ہے کہ خود اپنے مقصدِ تخلیق کے بارے میں وہ تغافل اور تجاہل پر ہی گزارہ کرتا رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے زندہ رہنے

کے لیے اس کائنات کی ضرورت ہے' لیکن خود کائنات کی زندگی کے لیے انسان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے عقلِ انسانی کو اس بات پر آمادہ کرنا بڑا مشکل کام ہے کہ وہ یہ مان لے کہ انسان کی زندگی اور اس کی حیرت انگیز صلاحیتیں بالکل بے مقصد ہیں ——— وہ زندگی اور وہ صلاحیتیں جن کی بقا اور نشوونما پوری کائنات کا مقصدِ تخلیق معلوم ہوتا ہے۔

عقل و دانش اور ارادہ و اختیار سے بہرہ ور ہونے کی بنا پر' اور شعوری یا غیر شعوری طور پر مختلف عوامل کے زیرِ اثر' ہر انسان اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کر لیتا ہے۔ مقصد کا یہی تعین اس کے جملہ اعمال کی صورت گری کا باعث بنتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر متضاد مقاصد کے باہمی تصادم اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی انسانی ناکامیوں' مایوسیوں' تباہیوں اور خون ریزیوں کے مسلسل تاریخی عمل نے ثابت کر دیا ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود بلکہ بقا کے لیے ضروری ہے کہ مشترک انسانی اقدار کی بنا پر پوری انسانی زندگی کا کوئی عالمگیر مقصد اور نصب العین متعین ہونا چاہیے۔ اختلاف ''کیوں'' میں نہیں' صرف ''کیا؟'' میں ہے۔

مجمع بازوں کے بے پناہ شور و غل اور خریداروں کی تمیزِ سود و زیاں کو شل کر دینے کی ساری فسوں سازیوں کے باوجود بازارِ حیات میں انسانوں کی اکثریت ابھی اس حقیقت سے آگاہ ہے' بلکہ شاید آگاہ تر ہو رہی ہے' کہ سعدیؒ کے الفاظ میں ''خوردن'' اور عوامی زبان میں ''روٹی' کپڑا اور مکان'' انسان کی حیوانی زندگی کی بقا کے لیے ایک بنیادی ضرورت تو ہے' مگر اسے اور صرف اسے ہی انسانی زندگی کی منزلِ مقصود یا اس کا بدل اور انسان کی ساری صلاحیتوں کا ماحصل ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حیوانات اپنی زندگی کی بقا اور اس میں توازن کے لیے (جس میں افزائشِ نسل بھی شامل ہے) بیرونی دنیا میں بعض طبعی قوانین اور اندرونی طور پر بعض حواس اور جبلّتوں کے تابع سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ یہ حواس اور جبلتیں حیوانات کی زندگی کا مقصد ''خوردن'' تک محدود بھی کر دیتی ہیں اور اس مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ بھی بنتی ہیں۔

انسان کا معاملہ ذرا مختلف ہے' اسے حواس اور جبلتوں کے علاوہ عقل بھی دی گئی ہے۔ عقل ایک ایسی صلاحیت ہے جس کے ذریعے انسان بڑی حد تک اپنی حیوانی جبلتوں پر قابو پا لیتا ہے اور اپنی ادنیٰ فطرت کو اُبھرنے یا بے لگام ہونے سے روک بھی سکتا ہے۔ دوسری طرف یہی ''عقل'' انسان کی حسّی ضروریات اور اس کی جبلّی خواہشات کی تسکین کے لیے ذرائع و اسباب

کی تلاش کو، کبھی مکر و تدبیر کے ذریعے اور کبھی قوائے فطرت کی تسخیر کے ذریعے سہل اور آسان کر دیتی ہے۔ یوں ''عقل'' انسان کے لیے حیوانات کے مقابلے میں مسئلہ ''خوردن'' کا بہتر اور تیز تر حل مہیا کرتی ہے، تاکہ وہ مقصدِ زیستن کی طرف متوجہ ہو سکے ــــــ مگر غالباً اس وجہ سے کہ عقل کا دائرۂ کار بہرحال حسّی اور جبلّی زندگی تک محدود ہے، عقلِ انسانی اکثر حواس اور جبلتوں پر حکمرانی کرنے کے بجائے ان کے غلام کی حیثیت سے کام کرنے لگتی ہے۔ عقل کی حیثیت ایک سواری کی سی ہے جس کو کسی بھی منزل تک بآسانی پہنچنے کے لیے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ رہا خود منزل و نصب العین کا تعین، تو یہ تنہا عقل کے بس کی چیز نہیں ہے، اس کے لیے خود اُسے کسی اور سرچشمۂ علم کی ضرورت ہے۔

جس ذاتِ برتر نے انسان کے اندر مختلف صلاحیتیں ودیعت کیں، جس نے انسان کے حواس اور جبلتوں کی اصلاح اور امداد کے لیے عقل عطا کی اس نے عقل کی امداد اور اصلاح کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کے پاک نفوس کے ذریعے خارجی ہدایتِ وحی سے بھی نوازا۔ یہ خارجی ہدایت انسانی عقل و بصیرت کے لیے وہی درجہ رکھتی ہے جو بصارت کے لیے خارجی روشنی۔

اس ہدایت یعنی انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے مسلح ہونے کے بعد انسان جبلتوں، حواس اور عقل کے حلقہ در حلقہ جال سے باہر نکل آنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ان آسمانی صداقتوں کی روشنی میں انسان اپنی تقدیر کا تصور اور اپنی منزل کا تعین کر سکتا ہے ــــــ وحیٔ الٰہی یا پیغمبرانہ شعور انسان کو اُن حدود سے آگاہ کرتا ہے جن کے اندر رہنا انسان کی سلامتی و بقا اور اس کی ذات میں مضمر صلاحیتوں کی صحیح نشوونما کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس ہدایت کے قبول کر لینے ہی کو اسلامی اصطلاح میں ایمان بالرُسل اور ایمان بالکتب کہا جاتا ہے۔ رسول اور کتاب دونوں اسی ایک خدا کی طرف سے ایک ہی حکمتِ ربانی کے دو اجزاء اور ایک ہی مقصدِ دعوت کی تکمیل کے دو ذرائع ہوتے ہیں۔

انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ ہر نبی کی تعلیمات اُس ربانی علم و حکمت کا ایک جزو ہوتی تھیں جو اس کے سینے میں ہوتا تھا۔ اس تعلیم کا لفظی بیان بعض دفعہ کتاب یا صحیفہ کی صورت میں لوگوں کی رہنمائی کے لیے دیا جاتا تھا، جبکہ اس تعلیم کا عملی نمونہ اور مظہر خود رسول کی زندگی ہوتی تھی۔

قرآن کریم نسلِ انسانی کی رہنمائی کے لیے ربّانی پیغامات اور وحیٔ الٰہی کے، بذریعہ

کتاب ورسول‘ نزول کے ایک طویل عمل کا مُصدِّق بھی ہے اور مُکَمِّل (تکمیل کرنے والا) بھی۔ ابتداءً مختلف خطوں اور مختلف حالات میں بٹی ہوئی مختلف قوموں کو تاریخ کے خاص خاص اَدوار میں خاص خاص ربانی پیغام پہنچانے ہی ضروری تھے۔ انسان کی ہمہ گیر ترقی کی رفتار اس قسم کی قسط وار تعلیم اور اس پر عمل کے وقفوں کے ذریعے ہی آگے بڑھائی جاسکتی تھی۔ اسلام کے ساتھ اس سلسلہ اَحکامِ ربانی یعنی دین کی تکمیل ہوگئی۔ پیغمبر اسلام ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر اور قرآن کریم انسانوں کے لیے اللہ کا آخری اور مکمل پیغام ہے‘ اور دونوں تمام مخلوق کے لیے عموماً اور انسانوں کے لیے خصوصاً اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر اتم ہیں۔ الفاظِ قرآنی: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝﴾ (الرحمٰن) اور: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء) کے ذریعے اسی حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ نوعِ انسانی کی طرف آخری نبی (ﷺ) اور آخری کتاب آجانے کے بعد الہامی پیغاموں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اب اس آخری اور جامع ومکمل الہامی پیغام پر عمل کرکے —— یا اس کو رد کرکے —— اِس کے نتائج دیکھنے کا زمانہ شروع ہوگیا۔

نزولِ قرآن کا دَور انسانی تاریخ میں انسانی فرد کے زمانۂ بُلوغ سے مشابہت رکھتا ہے۔ قرآن کریم بالغ ’’انسانوں‘‘ نہیں بلکہ بالغ ’’انسانیت‘‘ یعنی عصرِ حاضر کو درپیش مسائل کے حل میں عقل انسانی کی رہنمائی کرتا ہے‘ اور اس مقصد کے لیے اپنے آپ کو ہدایت‘ علم‘ بصائر‘ شفاء‘ نور اور بیّنات وغیرہ کے اوصاف سے روشناس کراتا ہے۔ یعنی قرآن ہدایت دیتا ہے علم اور حکمت کے ساتھ‘ بصیرت دیتا ہے دلیل وبرہان کے ساتھ‘ امراضِ قلبی کے لیے شفا ہے بذریعہ موعظہ۔ وہ نور ہے جو جہالت ونادانی کی تاریکیوں سے نکالتا ہے‘ وہ ذکر للعالمین ہے جو ہر قسم کی فطرت کو اس کے کمالات یاد دلاتا ہے۔ وہ مؤمن وکافر‘ غنی وفقیر‘ متکبر ومتواضع ہر ایک قسم کے انسان کی دل کی بات کی خبر دیتا ہے۔ ہر ایک فردِ بشر اس کے کسی ایک عنوان کے تحت اپنا ذکر موجود پاتا ہے۔ وہ ماضی‘ حال اور مستقبل کے تمام انسانی مسائل کا حل پیش کرنے میں قولِ فیصل ہے۔

آج کے انسان کو ایسے پریشان کن مسائل نے گھیر رکھا ہے کہ اگر کہیں سے یہ آواز آتی ہے کہ فلاں نظام‘ فلسفہ‘ دین‘ پارٹی یا شخص ہی اس کے تمام مسائل یا کم از کم اہم مسائل حل کرسکتا ہے تو یہ گھبرایا ہوا انسان فوراً اُدھر متوجہ ہوتا ہے۔ ’’تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے‘‘ —— ہمارے زمانے کا سب سے بڑا جملۂ مدحیہ بن گیا ہے۔

کیا عظمتِ قرآن کے متعلق ہمارے اس قسم کے تعریفی بیانات اور مدحیہ کلمات محض جذباتی قصیدہ خوانی تو نہیں ہے؟ قرآن کریم کے متعلق اس قسم کے بلند بانگ دعووں پر ہم کوئی دلیل بھی پیش کر سکتے ہیں یا نہیں؟ انسانی زندگی میں جذبات کی قدر و قیمت اور افادیت و ضرورت عقلی دلیل و برہان سے کسی طرح کم قرار نہیں دی جاسکتی۔ کتنی دفعہ ''خردمندی'' کی انتہا ''صاحبِ جنون'' ہونے کی دعا پر منتج ہوتی ہے[1]۔ عوام اور عوامیت کے اس دَور میں تو یوں بھی دلائل و براہین جذبات کے آستانۂ عالیہ پر صفِ نعلین میں سرنگوں نظر آتے ہیں۔ تاہم غنیمت ہے کہ ہم ایک ایسے دَور میں رہ رہے ہیں جہاں کم از کم کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بلند بانگ دعووں' مسحور کن وعدوں اور دلکش نعروں کی صداقت کے بارے میں حقیقت کے جویا اور اپنی اس جستجو میں دلائل کے طلب گار نظر آتے ہیں۔

حضرات! بڑے دعووں' وعدوں اور نعروں کے ذکر سے آپ کا ذہن ''گمراہ'' نہ ہونے پائے۔ بڑے دعوے اور بڑے وعدے ہمیشہ ہی فریبِ باطل یا سرابِ نظر نہیں ہوتے' کبھی کبھی وہ سراسر حق و صداقت پر مبنی بھی ہوتے ہیں۔ اور انسان میں اس نازک فرق کا —— یعنی وعدۂ رحمٰن اور وعدۂ شیطان میں —— امتیاز کرنے کی صلاحیت ودیعت کر دی گئی ہے۔ کسی بھی پیغمبر کا دعوائے نبوت و رسالت غالباً انسان کے سامنے پیش کیے گئے دعووں میں سے سب سے بڑا اور بظاہر سب سے عجیب دعویٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس دعویٰ کے صدق یا کذب کو پرکھنا ضروری بھی ہے اور مشکل بھی —— اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کو اظہر من الشمس کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف قسم کے دلائل اور نشانات عطا فرمائے' جن سے ان کے مخاطب کے اندر ودیعت شدہ تمام ذرائع ہدایت یعنی جبلت' حواس اور عقل میں سے کسی ایک کو بھی تصدیق کے بغیر چارہ نہ رہا' بلکہ جوں جوں آخری نبوت قریب آتی گئی' انسان کے سب سے بڑے ذریعۂ ہدایت یعنی وحیٔ الٰہی کے ذریعے انبیاءِ کرام علیہم السلام نے خود بھی اپنے ماننے والوں کو آنے والی نبوت کو قبول کرنے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا' یہاں تک کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی آمد پر آنحضور ﷺ کی صداقت کی پرکھ اور پہچان کے لیے ہر وہ ممکن اور معلوم انسانی ذریعۂ علم و ہدایت اندرونی یا بیرونی' حسی یا وجدانی' عقلی یا نقلی —— جمع کر دیا گیا' جو آنحضور ﷺ کی صداقت کا

(۱) علامہ اقبال کا شعر ہے ۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر!

قائل کرنے کے لیے دنیا کے کسی ایک بھی انسان کو درکار تھا۔[1] آقائے دو جہاں کے دعووں کی صداقت —— تمام دعووں کی صداقت کو قبول کرنا یا نہ کرنا ہی اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ کی صداقت پر دنیا کی ہر قوم' مذہب' بلکہ ہر فرد کے سامنے (صرف مخصوص' معزز اور مدعو حاضرین کے سامنے نہیں)[2] ان کے مناسب حال دلائل پیش کرنا مسلمانوں کے لیے فرضِ کفایہ ہے۔

علم و عقل کی فراوانی کے اس دور میں آنحضرت ﷺ کی صداقت پر علمی و عقلی دلائل پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ آنحضور ﷺ کی صداقت پر ایک بہت بڑی زندہ علمی اور عقلی دلیل ''عظمت و اعجازِ قرآن'' ہے۔ عظمت و اعجازِ قرآن کا بیان بھی ایک واجب شرعی اور فرضِ کفایہ ہے۔ اس لیے کہ ''عظمت و اعجازِ قرآن'' کے مختلف پہلوؤں کا بیان اور اس کی دلائل سے وضاحت دراصل اثباتِ رسالتِ محمد ﷺ ہی ہے۔[3]

قرآن کریم نے خود اپنی عظمت و اعجاز کو آنحضور ﷺ کی صداقت کی دلیل کے طور پر اس تحدّی کی صورت میں پیش کیا ہے:

(۱) ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾ (البقرۃ)

''اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے' یہ

---

(۱) آنحضرت ﷺ کے پاس ایک آدمی نے آ کر کشتی لڑنے پر پچھاڑے جانے کو شرطِ صداقت قرار دے کر چیلنج کیا۔ حضور ﷺ نے اسے ایک دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ پچھاڑ دیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور آدمی نے آپ ﷺ سے کہا: ''مجھے کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں' تم خدا کی قسم کھا کر کہہ دو کہ تم واقعی اللہ کے رسول ہو''۔ حضور ﷺ نے قسم کھا کر کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ وہ آدمی فوراً ایمان لے آیا۔

(۲) انہی دنوں عالمی سیرت کانگریس کا خاص شو ختم ہوا تھا۔

(۳) قرآن کانفرنس کی جس نشست میں یہ مضمون پڑھا گیا اس کا موضوع بحث ''عظمت و اعجازِ قرآن'' تھا۔

ہماری ہے یا نہیں' تو اس کے مانند ایک ہی سورۃ بنا لاؤ' اپنے سارے ہمنواؤں کو بلا لو' ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو' اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو' اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے' تو ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر' جو مہیا کی گئی ہے منکرینِ حق کے لیے''۔

(۲) ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾﴾ (یونس)

''اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی وتعلیم کے بغیر تصنیف کر لیا جائے بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آ چکا تھا اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فرمانروائے کائنات کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو: اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو۔ اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مآل بھی ان کے سامنے نہیں آیا' اس کو انہوں نے (خواہ مخواہ اٹکل پچو) جھٹلا دیا۔ اسی طرح تو ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں' پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا!''

(۳) ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾﴾ (ھود)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو: اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو جو (تمہارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم (انہیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو۔''

(٤) ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾﴾ (الاسراء)

''کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش

کریں تو نہ لاسکیں گے' چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''

(۵) ﴿قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٠﴾﴾ (القصص)

''(اے نبیؐ!) ان سے کہو: اچھا تو لاؤ اللہ کی طرف سے کوئی کتاب جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو' اگر تم سچے ہوئے تو میں اُسی کی پیروی اختیار کروں گا۔ اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں' اور اُس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدائی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے؟ اللہ ایسے ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں بخشتا۔''

(٦) ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾﴾ (الطور)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں۔''

ان چھ آیات میں سے پانچ میں لفظ ''مثل'' استعمال ہوا ہے۔ ماحصل سب آیات کا یہ ہے کہ قرآن کریم بے مثل و بے نظیر کتاب ہے اور انسان اس کا جزوی مثل ونظیر پیش کرنے سے بھی ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج چودہ سو سال سے قائم ہے' دنیا اسے قبول نہیں کرسکی ——— لیکن جس طرح مسیلمہ کذاب نے قرآن کے اُسلوب کو نقل کرنے کی کوشش کر کے اپنے پیروکاروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی' اسی طرح آج مسلمان ——— بے خبر مسلمان ——— کی نظر سے عظمت قرآن کو اوجھل رکھنے کے لیے بعض ''ازم'' قرآنی نظام کے مماثل' بلکہ اس سے بہتر نظام کی حیثیت سے متعارف ہو کر اُبھر رہے ہیں۔ خود قرآن کریم کے ماننے والے ——— کم از کم ماننے والوں کے گھر پیدا ہونے والے ——— بعض سیاست گر اور دانشور بھی اس عروس العرائس [1] کے سرخ گھونگھٹ پر ہی مرے جا رہے ہیں۔ اس نظام کو

(۱) الف لیلہ کا پیشرو ایک عربی قصہ جسے حال ہی میں صلاح الدین المنجد نے کسی قلمی نسخے سے مرتب کر کے شائع کیا ہے' اس میں ''عروس العرائس'' نامی ایک مسحور کن حسین وجمیل عورت کی داستان ہے جو اپنے حسن کی طرح اخلاقی بے راہ روی اور تباہ کن نحوست میں بھی بے مثل ہے۔ جو بھی اسے دیکھتا ہے فدا ہو جاتا ہے' مگر وہ جہاں بھی قدم رکھتی ہے بربادی لاتی ہے۔

قرآنی نظام کا مثل یا اس سے بہتر قرار دینے میں اسی کوتاہ فہمی یا دانستہ مغالطہ سے کام لیا جارہا ہے‘ جس کی بنا پر ابراہیم علیہ السلام کے حاکمِ وقت نے موت وحیات پر قادر ہونے میں اپنے آپ کو ربِّ ابراہیم کی ''مانند'' سمجھ لیا تھا۔ یا جس طرح بعض کفارِ مکہ نے اپنی ساکھ رکھنے کے لیے ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ (الانفال:۳۱) کی صورت میں ایک کھوکھلا سیاسی بیان ہی جاری کرڈالا تھا!!

قرآن کریم پوری انسانی زندگی‘ اس کی ساری استعدادِ فکر وعمل کو ایک نظام کے تحت کر دیتا ہے۔ اب اگر کوئی دوسرا مذہب یا نظام بھی اسی قسم کے انداز میں انسانی فکر وعمل کے ہر دائرے میں اپنے نفوذ کے کچھ آداب وقوانین رکھتا ہے یا بنا ڈالتا ہے‘ تو اسے قرآن کریم کے مماثل نہیں بلکہ اس کے متوازی ایک الگ عمل ہی کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کے متوازی مدعیانِ ہدایت ایک نہیں دس ہو سکتے ہیں‘ سوال تو ﴿هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ﴾ (الرعد:۱۶) کا ہے۔ ہر مسلمان کو عصر حاضر کے اس شیطانی مغالطہ سے آگاہ ہونا ضروری ہے‘ جس کی رو سے اسلام کو دیگر ادیان یا فلسفہ ہائے حیات کی ''مانند'' ایک دین یا فلسفۂ حیات‘ قرآن کریم کو دوسری مذہبی کتابوں یا دساتیر عالم کی ''مانند'' ایک مذہبی کتاب یا دستور‘ اور محمد (ﷺ) کو دوسرے بانیانِ مذاہب یا مشاہیر کی ''مانند'' ایک بانی مذہب یا عظیم انسان (hero) تسلیم کرنے پر اکتفا کر لینے کی تلقین کی جاتی ہے۔ قرآنی عظمت کو بظاہر اُجاگر کرنے اور بباطن مٹانے کی ایک صورت یہ بھی اختیار کی جارہی ہے کہ قرآن کے دعویٰ ''بے مثلیت'' میں اسے مدعی کی بجائے مدعا علیہ قرار دیا جارہا ہے۔ قرآن نے کہا تھا کہ اس ''جیسا'' اور اس کی ''مانند'' کوئی نہیں‘ اب دانا دشمن اور نادان دوست استغاثہ کے منحرف گواہ بن کر یہ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ قرآن عصرِ حاضر کے طاغوتی نظاموں کے عین ''مانند'' ہے اور وہ ان کے شانہ بشانہ چل سکتا ہے۔

ان حالات میں لازمی ہے کہ قرآن کریم کے فائق و برتر اور بے مثل و بے نظیر ہونے کو واضح کیا جائے۔ علمائے اسلام نے‘ جن میں سے بعض نے اعجاز القرآن کے موضوع پر مستقل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں‘ جہاتِ مماثلت اور وُجوہِ اعجاز سے بحث کرتے ہوئے لفظی و معنوی ہر دو جہات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان مباحث کو پڑھتے ہوئے بوصیریؒ کے مشہور نعتیہ قصیدہ (بردہ) کا ایک مصرع ''فجوھرُ الحسنِ فیه غیر منقسم'' قرآن کریم پر صادق آتا دکھائی دیتا ہے۔ چند محدود صفات مل کر مجموعی طور پر اس کتاب کو بے مثل اور بے نظیر نہیں بناتیں‘ بلکہ خدا

کی یہ کتاب اپنی ہر صفت اور ہر خوبی میں بے مثل اور بے نظیر کتاب ہے۔ جس طرح اس کا نازل کرنے والا لامحدود قدرتوں کا مالک ہے' اسی طرح قرآن کریم کی صفات اور اس کے عجائبات بھی محدود نہیں۔ اشخاص و ادوار کے اختلاف کے لحاظ سے کسی کو ایک خوبی نمایاں نظر آئی تو کبھی دوسری اس سے بہتر معلوم ہوئی۔ مثلاً ابتدا میں قرآن کی عظمت و اعجاز کو اس کی فصاحت و بلاغت میں منحصر سمجھا جاتا رہا۔ یہ بات اپنی جگہ درست تھی اور ہے —— مگر اعجازِ قرآن کا یہ پہلو کم از کم اب اکثریت کے ادراک اور شعور سے ماوراء ہے۔

اگر اس نقطۂ نظر سے غور کریں کہ قرآن نے پوری بشریت کو اپنی مثل لانے پر تحدی کی ہے' تو یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ قرآن تمام انسانی علوم و افکار کو چیلنج کرتا ہے' تنہا فصاحت و بلاغت (شعری و نثری ادب) کو نہیں۔ ہر چند کہ فصاحت و بلاغت قرآن کا لباس ہے لیکن اصل تحدی (چیلنج) مضامین و علوم کے ساتھ ہے۔ قرآن کریم نے خود اپنے اوصاف میں فصیح و بلیغ کلام ہونے سے زیادہ اپنے هدًى (ہدایت)' حکمت' علم' بصائر' شفاء' روح' موعظہ' برہان' ذکر' نور اور بینات وغیرہ ہونے پر زیادہ زور دیا ہے۔

اگر اس تفصیل کو اجمال کی طرف لائیں تو ساری بات کا لبِ لباب اور محورِ بحث ایک لفظ ''ہدایت'' ہی نکلتا ہے۔ بلکہ آیاتِ تحدی میں سے ایک میں تو واضح طور پر صرف مطلق مثل لانے کی بجائے جہتِ تحدّی کا صاف ذکر کر دیا گیا ہے۔ ﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا﴾ یعنی قرآن کریم کتابِ ہدایت ہونے کے لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ ہدایت سے مراد زندگی کے مقصد اور نصب العین کا تعین اور اس نصب العین کو پا لینے کے لیے قطعی اور حتمی لائحہ عمل ہے اور اس کو ہم آج کل کی زبان میں تمام انسانی مسائل کا حل کہتے ہیں۔ اس ہدایت یعنی تمام مسائل کے حل کو پا لینے سے عقل انسانی کی عاجزی اور بے بسی کا اعتراف اب کوئی بے عقلی کی بات نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے کسی بھی ''مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' کا انسانی مسائل کے حل کے لیے کسی درجے میں بھی مثلِ قرآن ہدایت لانے سے عاجز ہونا ناقابلِ فہم بات نہیں ہے۔ البتہ آیت کے الفاظ ﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا﴾ سے مادہ پرست دانشوروں کی بجائے ادیانِ عالم کے پیروکاروں کے سامنے قرآن کی دعوت پیش کرنے کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے' اس لیے کہ آیتِ کریمہ کے الفاظ سے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ قرآن کی ہدایت سے کسی درجے میں مماثل ہدایت کے ملنے کا امکان اگر کہیں ہو سکتا

ہے تو وہ کسی ''مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ'' کتاب میں ہی ہو سکتا ہے' کیونکہ قرآن کریم اور کُتُبِ سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ ان میں ایک دوسرے کے معانی کی طرف رہبری کے علاوہ اسلوب اور فصاحت و بلاغت میں بھی مماثلت کے امکانات موجود ہیں۔ اور شاید اسی لیے قرآن کریم نے اس مقام پر تحدی میں ﴿فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ میں مِثْلِهٖ کی بجائے ﴿هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا﴾ کی شرط لگائی ہے۔ اس طرح قرآن کریم کی ان ساری چھ آیاتِ تحدی کا مجموعی مضمون کچھ یوں بنتا ہے: ''اے آسمانی ہدایت کے منکرو! اور عقل کا نام لے کر محض اپنی خواہشاتِ نفس کے پرستار دانشورو! تم ہدایت تو کیا ہدایت کی مشابہت سے بھی دور ہی رہو گے ——اور اے آسمانی ہدایت ماننے اور اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ انسانو! تمہیں یہ ہدایت قرآنِ کریم سے بہتر اور کہیں نہیں ملے گی۔''

عقلی رہنمائی کی بجائے عقل کی رہنمائی کے لیے آسمانی ہدایت کی ضرورت اب صرف تسلیم ہی نہیں کی جا رہی' بلکہ آج کا انسان اس کی تلاش میں ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی دیگر صحفِ سماویہ یا الہامی کتابوں پر فضیلت اور برتری کے پہلوؤں پر زور دیا جائے —— یہ وقت کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم کی برتری صرف اس بات میں نہیں کہ وہ عقلی رہنمائی سے بہتر رہنمائی دیتا ہے —— ہدایت کے معاملے میں اب عقل کو بھی ایک ''مفلوج اور مغلوب دیو'' سمجھا جانے لگا ہے[(۱)] —— قرآنِ کریم کی عظمت و اعجاز کا سب سے اہم نہیں تو بہت اہم پہلو یہی ہے کہ وہ عقلِ انسانی کی رہنمائی کرنے والی مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابوں میں بھی سب سے بہتر ہدایت یا انسانی مسائل کے بہتر حل کا حامل ہے۔ اس کتابِ مہیمن کو صحفِ سماویہ یا الہامی کتابوں پر کئی اور لحاظ سے بھی فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ ان میں سے کئی پہلو ایسے بھی ہیں جن کی وضاحت بذاتِ خود مستقل تصنیف یا مقالہ کی محتاج ہے اور بعض پر تو کتابیں موجود ہیں۔ یہاں صرف ابتدائی خاکے کے طور پر صحف سماویہ پر قرآن کریم کی فضیلت و برتری کے چند اہم پہلوؤں کے عنوانات کا ذکر کیا جاتا ہے اور اہل علم سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ان عنوانات کو اپنی تحقیق اور ریسرچ کا موضوع بنائیں:

(۱) اپنی پوزیشن (کتاب اللہ ہونے کے لحاظ سے) کی اندرونی شہادت اور وضاحت۔

(۱) ان ہی دنوں اخبارات میں شاہِ ایران کا امریکہ کے متعلق اسی قسم کا مشہور ریمارک آیا تھا۔